عمل اور داعیِ عمل

(حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے کچھ انتظامی پہلوؤں کا تذکرہ)

ڈاکٹر حافظ صفوان محمد چوہان

اِس مضمون میں حضرت دہلوی سے مراد مولانا محمد الیاسؒ ہیں اور حضرت جی سے مولانا محمد یوسفؒ

تبلیغ کا کام سراسر عمل ہے۔ مجددِ دعوت حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاص وللّٰہیت اور اپنے سوزِ دروں اور خداداد انتظامی صلاحیتوں کے طفیل اِس کام کی بنیاد میں کچھ ایسے اصولوں کی آمیخت کر دی تھی کہ جس نے کام اور اِس کے کرنے والوں کی حفاظت کی، جو لوگ اِن بناء کردہ اصولوں پر جمے رہے وہ کام میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ اِن اصولوں کی خاصیت یہ ہے کہ یہ سب قرآنِ پاک اور حیاتِ انبیاء وسردارِ انبیاءؐ سے مستنبط ہیں۔ اِن کا دائمی طور پر امت کے لیے نفع مند ہونا کسی ثبوت کا محتاج نہیں۔ مولانا محمد الیاسؒ نے اپنے ساتھ چلنے والوں میں اِنہی اصولوں پر کاربند رہنے کو اور موقع کے لیے تعلیم کردہ نبوی عمل کے اختیار کرنے کو سب سے بڑی کارگزار قوت سمجھنے کا مادّہ پیدا کیا۔ نتیجہ یہ ہوا اللہ کے دین کی ترویج وسربلندی کی محنت میں لگے ہوئے لوگوں کے مزاج میں اعمالِ نبوی کو ہر حال میں مقدم رکھنے کا جوہر پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ اللہ نے اِس ترتیبِ محنت کو قبولِ عام عطا فرمایا اور دورِ حاضر کے مسلمانوں کی قربانیوں کو قبول کرتے ہوئے وہ شکلیں دکھائیں کہ جن کا ذکر آثارِ حدیث میں ملتا ہے۔ مولانا محمد الیاسؒ کی وفات کے بعد حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ پاک نے یہ کام لیا۔

راقم نے ۱۹۹۷ء تا ۲۰۰۱ء میں حضرت دہلویؒ کے ملفوظات مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو Words & Reflections of Maulana Ilyas RA کے نام سے بحمد اللہ ملکوں ملکوں میں چل رہا ہے۔ اِس دوران میں (اور اِس سے پہلے بھی) اللہ کے راستے میں وقت لگانے کی سعادت نصیب ہوتی رہی اور حضرات کے بیانات اور فضائلِ اعمال اور حیاۃ الصحابہ وغیرہ کی تعلیم کے حلقوں میں بیٹھنے کی سعادت نے ملفوظات کے معنی کے کئی پرت کھولے۔ کچھ ملفوظات کو سمجھنے کے لیے اکابرِ تبلیغ کی خدمت میں باقاعدہ حاضری ہوئی۔ ڈاکٹر محمد

نواز صاحب، ڈاکٹر مظہر محمود قریشی اور مولانا محمد افتخار زمان صاحب وغیرہم نے بہت دستگیری فرمائی۔ اپنے والد پروفیسر عابد صدیق کے ہمراہ دعوت وتبلیغ کی ایک مرکزی شخصیت حضرت مولانا محمد احمد انصاری صاحب کی خدمت میں بھی کئی بار حاضری ہوئی۔ ایسے ایک سفر میں رائے ونڈ جانا ہوا تو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے مختصر ملاقات کا موقع بھی بنا۔ ملفوظات کے انگریزی ترجمے کا یہ کام جو اللہ نے مجھ ناکارہ سے لیا، میں اِسے توشۂ آخرت جانتا ہوں۔

اِس ترجمے کے دوران کئی ایسی باتیں سامنے آئیں جو اصلاً تو نگاہوں کے سامنے تھیں لیکن توجہ کے اُن کی جانب مستعد نہ ہونے کی وجہ سے اُن کو ویسی اہمیت نہیں دی جاتی تھی جس کی کہ وہ محتاج تھیں، مثلاً یہی کہ تبلیغ کے کام میں عام لوگوں کو تو کاملاً اِدھر ہی یکسور ہنے کی دعوت ہے جب کہ دینی لائن کے سرکردگان کو اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر ساتھ چلنے اور اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو مستفید کرنے کی، یعنی اپنا خانہ بدلے بغیر تبلیغ کے لیے کام کرنا۔ حضرت دہلویؒ کا عہد آفریں نظریۂ تعلیم وتعلم، اموال اور زکوٰۃ وغیرہ کے بہترین مصارف اور اِسی طرح اہلِ خدمت کے حقوق کی ادائیگی کا مسئلہ، وغیرہ..... ملفوظات کے ترجمے اور درست مصادیق تک پہنچنے میں تبلیغ کا ماحول اور حضرت دہلویؒ کی سوانح مولانا الیاس اور اُن کی دینی دعوت دونوں ہی مہان مآخذ رہے۔ جو بات زندہ ماحول میں مل سکتی ہے، کتاب کے نقوش اُس کے مقابلے میں بہت پھیکے اور جامد ہوتے ہیں، لیکن اگر کسی کتاب کی حیثیت کسی ساتھ چلتے ہوئے کام یا مشین کے کتابچۂ ہدایات کی ہو تو آدمی بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ اِس زندہ رہنے والی کتاب کی حیثیت یہی ہے۔

تبلیغ کے زندہ ماحول میں، میں نے حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات اور اُن کے حوالے سے سنائے جانے والے جملوں کو ملفوظات کی عملی اور استعمالی شکل پایا۔ اُن کی بنیادی تربیت میں علم وتعلیم کا وفور تھا اور اِس میں اُن کی تخصیص حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا گہرا اور پرشوق مطالعہ تھی۔ اِس مطالعے کے اثرات کتابی شکل میں ظاہر ہوئے جسے آج دنیا حیاۃ الصحابہ کی شکل میں دیکھتی ہے اور اِس میں دعوت کی بنیاد پر حضراتِ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی معاشرت، سماج اور ثقافت کا بیان ہے۔ یہی اِس کتاب کی قبولیت کی وجہ ہے کہ اِس میں صحابہ کرامؓ کے اُن جواہر کو اکائی مان کر نتائج فراہم کیے گئے ہیں جن کی وجہ سے وہ ممتاز تھے، یعنی نقل وحرکت، اجتماعیت اور دین کے قربانی۔

تبلیغ کے بنیادی اصولوں پر اپنی ذات کے اعتبار سے جمے رہنا اور لوگوں کو بھی حکمت بصیرت سے اِن پر لے آنا وہ کارنامہ ہے جو حضرت جیؒ کر کے دکھا گئے۔ حضرت دہلویؒ کے انتقال (۱۲/ جولائی ۱۹۴۴ء) کے بعد تبلیغ کا کام کئی طرح کی نزاکتوں سے دوچار رہا۔ اُس وقت میں کام کے نواحی ماحول کو دیکھیں تو اِس صورتِ حال کی سنگینی کا سمجھ میں آنا آسان

ہو جاتا ہے۔ غیر منقسم ہندوستان اپنی عمر پوری کر چکا تھا اور ہر طرف تقسیم کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کچھ سادہ خیال مسلمان ایسے بھی تھے جو تقسیم کے اس ابھرتے ہوئے سورج کی چندھیاہٹ کو واہمہ سمجھے ہوئے تھے اور اپنے سادہ تر خیالی پیروکاروں کو اُسی افیون کی گولیاں دے رہے تھے جس نے اُنھیں دن کو رات کہنے پر لگا رکھا تھا۔ تبلیغی کام کے مرکز مسجد نظام الدین نئی دہلی میں لامحالہ دونوں خیالوں کے لوگ تھے۔ ایسے وقت میں کام کی طرف توجہ کرنا مشکل تھا۔ برِعظیم کی سیاست کے اِس شدید ہیجانی دور میں جب کہ ساری ہی مسلمان عوام قوم پرستوں یا تقسیم چاہنے والوں میں سے کسی ایک گروہ کے جھنڈے تلے جمع ہو رہی تھی، تبلیغ کے نام سے چلنے والے اِس نوزائیدہ کام کو اِس بنیاد پر چلائے رکھنا کہ زندگی دین سے بنتی ہے اور سیاسی لگاوٹیں محض عارضی ہیں، کوئی آسان کام نہ تھا۔ اِس موقع پر حضرت جیؒ نے ایک متحیر کردینے والی سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کیا اور کسی ایک طرف کا ہو رہنے کی بجائے تبلیغی کام کو ہر مسلمان کا کام بنانے کے بنیادی اصول کو سامنے رکھا، اور ایک ماہر مدبر کی طرح کام کی کیت میں ایسا اضافہ فرمایا کہ لوگ اِسی میں منہمک ہو گئے۔ اِس ''اِدھر یا اُدھر'' والے موقع پر حالات سے متاثر ہو کر تبلیغ کے کام کو خدانخواستہ کسی مذہبی یا سیاسی جماعت کے تانگے کی سواری بنا دیا جاتا تو یہ متنازعہ بن کر کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔ ابتلاء کے وقت اپنے ساتھ کام میں لگے ہوئے لوگوں کی کثیر تعداد میں پھیل جانے والی کسی طرح کی بدمزگی یا باہر اس میں جس میں جمعیت کے دو ٹکڑوں میں بٹ جانے کی صورت پیدا ہو رہی ہو تو لوگوں کو کام کے بوجھ سے لاد دینا کہ اِس فوری لیکن مہلک تاثر کو زائل کیا جاسکے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت ہے۔

یاد کیجیے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب قریب تھا کہ مہاجرین اور انصار ایک دوسرے پر تلواریں سونت لیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس قدر سرعت سے کوچ فرمایا کہ کسی کو کسی دوسری طرف سوچنے کا موقع ہی نہ ملا اور لوگوں کو اکٹھا ہونے کا موقع ہی اِتنے دن کے بعد دیا کہ جب وجہِ نزاع نسیاً منسیاً ہو گئی تھی۔ آج کی پبلک ایڈمنسٹریشن اور انتظامی سائنس کی اصطلاح میں ایسی ترتیب اختیار کرنے کو Mob Management کہتے ہیں۔ مینجمنٹ سائنس میں کام پیدا کرنا اور لوگوں کو کام پر لے آنا اچھی انتظامی صلاحیت کے عمومی مظاہر ہیں، لیکن خاص طور سے ایسے موقع پر کہ جب لوگ بددل ہو کر پیچھے ہٹنے یا بصورتِ دیگر محاذ آرائی کی طرف رخ کر رہے ہوں تو رگڑ پیدا نہ ہونے دینا اور کام اور کام والوں کو بحفاظت اِس گرداب سے نکال لینا انتہائی غیر معمولی انتظامی صلاحیت کا پتہ دیتے ہیں۔ حضرت جیؒ کی ذات میں موجود انتظامی صلاحیتوں کے اِس غیر معمولی درجے کے حیرت ناک مظاہر کئی موقعوں پر نظر آئے ہیں۔ آپ نے نہ صرف کام پیدا کیا اور لوگوں کو اِس میں کھپایا بلکہ اِس انداز میں لوگوں کو اپنا آپ پیش کرنے والا بنایا کہ اُن کی ہر طرح کی ذاتی دلچسپیاں اِس اجتماعی دلچسپی کے دائرے کے اندر آ گئی تھیں۔ تکنیکی اعتبار سے ذاتی دلچسپیوں کا اجتماعی دلچسپیوں کی دائرے کے اندر آ جانا صرف ذاتی کاروبار میں ممکن ہوتا ہے۔ لوگوں نے تبلیغ کے کام کو اپنا کام بنالیا!

تقسیم کے موقع دلوں پر چھائی ہوئی کلونس کو دور کرنے کے لیے کام کی کمیت میں اضافہ کرنے کے فیصلے اور پھر اِس پر جی جان سے عمل درآمد نے جس کی ظاہری شکل دور دراز کے علاقوں میں اور لمبے لمبے وقتوں کے لیے جماعتیں بھیجنا تھی، بہت دور رس نتائج پیدا کیے، پھر بیرونِ ملک لمبے لمبے سفر کرائے گئے جن سے نہ صرف کام کی بنیاد ملکوں ملکوں میں پڑی بلکہ ہر طرف سے حوصلہ افزا خبروں کی آمد نے سرد پڑتے جذبوں کو نئی زندگی عطا کر دی اور لوگ کام میں منہمک ہو گئے۔ جب برِعظیم تقسیم ہوا تو کام کی کمیت میں ہونے والے اِسی اضافے نے سرحد کے دونوں طرف کارگزار کارکن مہیا کیے اور اللہ کی توفیق سے دونوں طرف کا کام چل پڑا۔ اِس وقت میں کام میں کئی گنا اضافہ ہوا اور حضرت جیؒ کی مصروفیات بڑھتی چلی گئیں۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ بظاہر عمر اور تجربے میں بہت کم ہونے کے باوجود محض اللہ کی توفیق اور اخلاص کی وجہ سے حضرت جیؒ ہمہ جہت مصروفِ عمل ہیں۔ اِس یکسوئی کے ساتھ دین کے احیاء کے کام میں لگ جانے سے اللہ نے اُن پر کام کی ایسی ترتیبیں کھولیں کہ عمر اور تجربے میں بڑھے ہوئے مخلص اور قدیم کارکنوں کا یہ کھٹکا دور ہو گیا کہ حضرت دہلویؒ کے بعد کام یا کام کی برکتوں میں کمی آئی ہے۔ بلاشبہ اُن کی ذات میں حضرت دہلویؒ کی نسبت منتقل ہو گئی تھی۔

تبلیغ میں ہر ایک کو اپنی رائے دینے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ کام پھیلا تو پرانے طریقوں کو چھوڑ کر نئے دور کی ایجاد اور کئی طرح کی ترتیبوں کو اختیار کرنے کی بات بھی رک رک کر چلنا شروع ہوئی۔ یہ خدانخواستہ کسی بدنیتی کی وجہ سے نہیں تھا لیکن چونکہ حضرت جیؒ بہت سے پرانے کارکنوں سے عمر میں چھوٹے تھے اِس لیے مخلصین نے اپنے تجربے اور ماحول میں چلنے والی باتوں اور کام پر کچھ تحفظات رکھنے والے لوگوں کی آراء کی روشنی میں بہتر سے بہتر وسائل کو اختیار کرنے کی رائے دی۔ اِس موقع پر حضرت جیؒ نے مشورے سے چھ نمبروں کی پابندی اور ہر حال میں کام ہی کو آگے رکھنے کے بارے میں چند پالیسی بیان دیے اور پھر تادیر ان پر بیانات فرماتے اور خط تحریر فرماتے رہے کہ یہ اصلِ اصول کہیں نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ چھ نمبروں میں کسی اضافے یا ردوبدل کے امکان کو پوری قوت کے ساتھ کلیۃً رد فرمایا اور اِس کے لیے بڑی سے بڑی سفارش یا دباؤ کو بھی قبول نہیں فرمایا اور خود کو لکیر کا فقیر کہہ کر اس سب سے معذرت فرمائی۔ راقم کے نزدیک تبلیغ کے کام کی عمارت کا منہ ماتھا تبدیل نہ کرنے دینے کی اِس جرات نے کام کو بیرونی خطرات سے محفوظ کر دیا۔ اللہ حضرت جیؒ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور کام کو اندرونی خطرات سے بھی محفوظ فرمائے۔

لیکن اِس گفتگو سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ حضرت جیؒ سیاسی درجۂ حرارت یا ماحول کی ضرورتوں سے ناآشنا رہتے تھے یا اِن میں اپنا کردار ادا کرنے سے پہلوتہی فرماتے تھے۔ اُنھوں نے اپنے والد حضرت دہلویؒ سے یہ گر سیکھا تھا کہ خوب سوچ بچار اور مشورے سے اپنے قلیل مدتی اور طویل مدتی اہداف طے کیے جائیں اور پھر صرف اور صرف اُنہی پر کام کیا جائے اور خود بالکل اِدھر اُدھر نہ ہوا جائے۔ چنانچہ اپنے لیے طے کردہ کام خود کر لیے جائیں اور بقیہ کے لیے اہل

لوگوں کو متوجہ کیا جائے۔ اِس سے جہاں مختلف اغراض و مقاصد لے کر کام کرنے والوں میں ٹکراؤ یا رگڑ پیدا نہیں ہوگی وہیں دوسروں کو آپ کے کام سے بھی اعتراض نہ ہوگا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی آپ کو کسی بھی جگہ اپنا مقابل نہیں گردانے گا اور جب کوئی مقابل نہیں ہوگا تو اغراض کا ٹکراؤ نہیں ہوگا۔ اِس بہت بنیادی نکتے یعنی اپنا دائرۂ کار طے کر کے صرف اُس کے اندر رہنا اور کسی بھی قسم کی ہاؤ ہو پر اپنی منزل کو کھوٹا نہ کرنا حضرت دہلویؒ کی تحریک کا وہ وصفِ خاص ہے، جس نے اِس کام کی آئندہ دنوں میں چلنے کی صورت واضح کی اور جسے حضرت جیؒ نے بدرجۂ ایمان قبول کیا اور نتیجۃً اللہ کے ہاں سے مقبول ہونے والا یہ کام عوام میں بھی مقبولیت پا گیا اور علماء کے مختلف الخیال بلکہ باہم متحارب طبقوں میں بھی۔ اصل میں ساری امت کے لیے محبت اور رحمت کو دل سے چاہنا وہ اسمِ اعظم ہے جو اِس کے پیچھے کارفرمائے حقیقی ہے۔ ہر کسی نے اِس کام کو بےضرر جانا اور یہ محض اللہ کا کرم ہے کہ کوئی بھی اِس کے استیصال کے لیے کھڑا نہ ہوا۔ اغراض کا ٹکراؤ یا تو پیسے کی وجہ سے ہوتا ہے یا پھر شخصیتوں کی پسند ناپسند پر، یا پھر عمارتوں پر قبضہ کرنے کے لیے بھوکی نگاہوں اور ٹپکتی رال کی وجہ سے۔ تبلیغ کے کام کی ابتداء ہی میں یہ شکل بنادی گئی کہ نہ تو اِس کا کوئی مرکزی فنڈ ہے، نہ کوئی مرکزی شخصیت ہے اور نہ کوئی ہیڈ کوارٹر۔ ہر مسلمان کی جیب اُس کا اپنا فنڈ ہے کہ جو جتنا چاہے لگائے، ہر کوئی سیکھنے والا ہے، اور ہر مسجد مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کا سب آفس ہے۔ تبلیغ کا کام پوری دنیا میں چل رہا ہے لیکن پوری دنیا میں اس کے لیے کہیں چندہ نہیں ہوتا اور نہ تبلیغ والے کہیں پر اپنا مبلغ بھیجتے ہیں، اور نہ کسی مسجد پر قبضہ کرتے ہیں۔ یہ تین خصوصیات اور اپنے مقرر کردہ دائرے میں رہ کر کام کرنا وہ باتیں ہیں جو بہت کم پائی جاتی ہیں اور انہی کی کمی کی وجہ سے اغراض آپس میں ٹکراتی ہیں اور اہلِ غرض کو حرص ہوتی ہے۔ اِلّا ماشاءاللہ

حضرت دہلویؒ اور حضرت جیؒ کی سوچ میں ایک ظاہری فرق بھی یہیں سے معلوم ہو جاتا ہے۔ حضرت دہلویؒ نے حضرتِ اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے تین بار باقاعدہ اصرار سے درخواست کی تھی کہ فلاں سیاسی مذہبی جماعت کو اُن کے ساتھ مل کر کام کرنے پر مامور کر دیا جائے۔ وجہ یہ تھی کہ اُس جماعت کے مطاع بھی حضرت رائے پوریؒ کے مرید تھے لیکن حضرت رائے پوریؒ نے تینوں بار انکار فرما دیا۔ آج دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی رائے میں اِن دونوں کا الگ الگ چلنا کیوں ضروری تھا...... کہ ایک گروہ سیاسی سرگرمیوں میں لگا رہے اور ایک جماعت اصلاحی کام میں، یعنی دونوں اپنے اپنے دائرے کے اندر کام کریں۔ اِس کے برعکس حضرت جیؒ نے کبھی کسی سیاسی یا دینی جماعت کو اپنے کام میں بحیثیتِ جماعت شامل ہونے کی دعوت نہیں دی اور نہ اِس کے لیے کبھی کہا کہلوایا۔ ہاں! اِن جماعتوں کے ماحولوں میں خوب جم کر کام کیا۔ لیکن ذرا بغور دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفاوت اصلاً کوئی اختلافِ رائے نہیں ہے بلکہ ترجیحات کا فرق ہے جو پیش آمدہ حالات کے تحت بدلتی رہتی ہیں۔ حضرت دہلویؒ کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ زندگی کے آخری دنوں میں وہ وفورِ جذبات سے مغلوب ہو جاتے

تھے اور آواز تک نہ نکلتی تھی۔

حضرت جیؒ نے کمال ضبط پایا تھا۔ اُن کے تبلیغی بیانات آیاتِ قرآنی اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی قربانیوں کے تذکرے سے مزین ہوتے تھے اور اللہ اُن پر بعض ایسے نکتے کھولتا تھا کہ متداول تفاسیر میں نہ ملتے تھے۔ رفتہ رفتہ اُن کے بیانات قرآن پاک کی دعوتی تفسیر کی طرف بڑھتے گئے۔ اِس کے بارے میں اُن کی رائے یہی تھی کہ قرآن پاک چونکہ صحابہ کرامؓ کے دعوتی سفروں کے لیے چلتے پھرتے میں نازل ہوا ہے، چنانچہ یہ اِسی دعوتی محنت میں لگے ہوئے چلت پھرت میں ہی سمجھ آسکتا ہے۔ کوئی کسی نکتے کا پوچھتا تو فرماتے کہ یہ ''کتاب الاقدام'' میں لکھا ہے۔ اِن علمی نکات کی تحریری شکل میں حفاظت کے خیال سے اور اُن کی حیاۃ الصحابہ کی مقبولیتِ عامّہ اور علمی مشغلے میں دل کے چلنے کی وجہ سے پرانے مخلصین نے کئی بار اُن سے عرض کیا کہ آپ ایک تفسیرِ قرآنِ پاک باقاعدہ لکھ دیں۔ یہ اصرار بڑھا تو ایک بار کچھ مخلصین نے یہ بھی پیشکش کی کہ وہ اُن کی ذمہ داریاں بٹا کر اُنھیں یکسوئی سے اِس کام کے کرنے کے لیے فارغ کر دیتے ہیں۔ اِس پر حضرت جیؒ نے فرمایا کہ اگر میں تفسیر لکھوں گا تو مجھ پر کفر کا فتویٰ لگے گا۔

آج میں کبھی اِس بات کو سوچتا ہوں تو اُن کے ضبطِ نفس، کام کو درست خطوط پر چلتا رکھنے کے لیے ذاتی صلاحیت کی قربانی اور دوراندیشی کا قائل ہوتا ہوں کہ بعض اوقات لکھنے سے نہ لکھنا بہتر ہوتا ہے۔ وہ حضرت دہلویؒ کے تعلیم کردہ اِس گُر کی کنہ کو پا گئے تھے کہ تفسیر لکھنے سے آدمی تیار کرنا زیادہ قیمتی ہے، کہ اگر یہ آدمی تیار ہو گئے تو کسی بھی موجود تفسیرِ قرآنِ پاک سے فائدہ اٹھالیں گے۔ اگر خدانخواستہ حضرت جیؒ ایک تفسیر قرآن پاک لکھ گئے ہوتے تو آج ہم سب لوگ بغل میں چار، چھ یا آٹھ جلدوں کی تفسیر اٹھائے پھر رہے ہوتے اور اُس پر اعتراضات کا جواب دینے میں لگے ہوتے۔ تبلیغ کا کام کہیں کا پیچھے رہ گیا ہوتا۔ اِس سے اُن کی ذات متنازعہ بھی بن سکتی تھی۔ میرے نزدیک حضرت جیؒ کا امت پر اور تبلیغ کا کام کرنے والوں پر یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ اُنھوں نے تبلیغ کے اہلِ شوریٰ کا مشورہ قبول کرتے ہوئے تفسیرِ قرآنِ پاک نہیں لکھی۔ اِس ضبط پر ہزار آزادیاں قربان۔

کیے ضبط اشک، آہ پہنچی فلک پر　　مرا عشق کم خرچ بالا نشیں ہے

حضرت دہلویؒ کی طرح حضرت جیؒ نے بھی تبلیغ کے کام کو علماء اور اہل اللہ کی توجہ حاصل کرتے ہوئے کرنے کی سعی کی۔ علماء اور اہلِ ذکر کے آپس کے جوڑ اور علماء اور عوام کے جوڑ کی اِس پالیسی نے بحمد اللہ وہ صورتیں دکھائیں کہ امت کے اتحاد و اتفاق کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے لگا اور بڑے بڑے ذہن جو اِس کھیتی کی سرسبزی سے بالکل مایوس ہو چکے تھے، متحیر رہ گئے۔ دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف اور خود کو چھوٹا سمجھنا اِس منزل کے راستے کا پہلا پتھر ہے۔ ایک دوسرے کو برداشت کرتے ہوئے اور اختلافِ رائے و مزاج کا احترام کرتے ہوئے مل جل کر کام کرنے کی صلاحیت جو کم قسمتی سے مسلمانوں اور خصوصًا مسلمان جماعتوں میں سے بوجوہ مفقود ہو گئی تھی، اللہ نے اِن حضرات کی راست نیتی اور اخلاص کی

برکت سے اُسے دوبارہ زندہ کیا۔ یہ دینی زندگی کے اجتماعی، سماجی اور ثقافتی اعتبارات سے تبلیغ والوں کا سب سے بڑا Contribution ہے جس کی بنیاد گزاری میں حضرت دہلویؒ اور حضرت جیؒ کا بے نفسی سے مملو کردار رہتی دنیا تک کے لیے رہنما اور قابلِ تقلید ہے۔

- حضرت جیؒ نے تبلیغی کام کے انتظامی امور کے حوالے سے ایک اور نہایت اہم کام کیا، وہ یہ کہ پرانے مخلص اور کام کے گرم سرد کو دیکھے ہوئے بڑی عمر کے بزرگوں کو کام کے مراکز میں جمع کیے رکھنے کی بجائے وقفوں وقفوں سے دور سے دور بھیجا اور اس سے یہ فوری مقصد حاصل کیا کہ ہر ہر جگہ پر کام صحیح بنیاد پر کھڑا ہو اور غلط بنیاد پر تیار کر کے لوگوں کو اللہ کے راستے میں نکلنے پر تیار نہ کیا جا رہا ہو۔ کارکنوں کی اِس انداز کی تعیناتی جسے مینجمنٹ سائنس کی اصطلاح میں سٹاف مینجمنٹ یا سٹاف پلیسمنٹ (Placement) کہتے ہیں، کسی بھی ادارے یا تحریک کی فعالیت اور کارگزاری میں بنیادی کردار ادا کیا کرتی ہے۔ حضرت جیؒ نے اِس معاملے میں نہایت بیدار مغزی کا ثبوت دیا اور کام کے مراکز کو ایسے لوگوں کا گڑھ بننے سے بچائے رکھا جو اپنی ذاتی اور دینی صفات کی وجہ سے مرجعِ خلائق بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں، اور نتیجۃً حرکت والی صلاحیت سے محروم ہو جائیں۔ حرکت ہی تو اِس کام کی مہان بنیاد ہے۔ کام کو عمومی طور سے چلانے کی غرض سے ہر سطح کے لوگوں کو باری باری کچھ کچھ وقت کے لیے مرکز میں بلانا اور اُن سے کام لینا اور اُن کی صلاحیتوں سے امت کو مستفید کرانا بڑے کاموں میں ضروری ہوتا ہے۔ اللہ نے انتظامی صلاحیت کی یہ خوبی بھی حضرت جیؒ کی ذات میں وافر کر رکھی تھی، اِس معاملے میں اُنھوں نے ہمیشہ کام کے تقاضے کو سامنے رکھا اور کسی بھی قدیمی ناتے داری کا لحاظ نہیں کیا۔

- حضرت جیؒ کی تمام زندگی کی محنت کا خلاصہ اور اُن کے بیانات کا کلیدی لفظ ''قربانی'' ہے۔ جتنا کچھ اُنھوں نے قربانی سے متعلق فرمایا اُتنا کسی بھی عمل کے بارے میں نہیں فرمایا۔ اُن کی ذاتی زندگی قربانی سے عبارت تھی۔ وہ زندگی کی آخری سانسوں تک اپنے متعلقین ومخاطبین کو دین کے لیے قربانی پر کھڑا فرماتے رہے اور اپنے اندر کی مایا کو سنوار کر اُمت بننے کی طرف دعوت دیتے رہے۔ یہ امت دین کے لیے قربانی میں جتنا آگے بڑھتی چلی جائے گی، اِس کی بگڑی بنتی چلی جائے گی۔

دھوپ کھانا بہت ضروری ہے   پیڑ بڑھتا نہیں ہے چھاؤں میں

☆......☆......☆